اسلام کے اقتصادی نظام پر ایک نظر

از جناب کمال الدین ظفر ایم۔کام و بی۔ٹی۔ایچ (علیگ)

اسلام دینِ فطرت ہے اور ہر اس چیز کا حکم یا اجازت دیتا ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہو اور ان تمام باتوں سے روکتا ہے جو تقاضائے فطرت کے خلاف ہوں۔ اسلام فی الحقیقت انفرادی و اجتماعی زندگی کی خوش حالی کا ضامن ہے۔ لہٰذا اسلام کے تمام احکام عدل و امن پر مبنی ہیں۔ اسلام نے فطری ضروریات کی حلال طریقہ سے تکمیل و تسکین کو فرض قرار دیا ہے اور یا کم از کم اجازت دی ہے۔ معاش اہم ترین انسانی فطری ضرورت ہے۔ اسلام نے کسب معاش کو فرض کیا ہے اور ذاتی و قومی فلاح کے لئے ایک مکمل معاشی نظام قائم کیا ہے جس کی بنیاد عدل و امن پر ہے اور جو فلاح و صلاح کا ضامن ہے۔ لہٰذا اسلامی اقتصادیات میں ہر وہ چیز غلط قرار دی گئی جس سے معاشرے کو کسی طرح کا نقصان پہنچتا ہو اور ہر وہ چیز روا رکھی گئی جس میں مضرت کا پہلو نہ ہو اور جو صالح معاشرت کی تشکیل کا باعث ہو۔ لہٰذا اسلامی اقتصادیات کے ہر شعبہ میں ہمیں تین اصول کارفرما نظر آتے ہیں۔

اسلامی اقتصادیات کے تین اصول اقتصادیات کے ہر شعبہ — تصنیع[1]، تصرف[2]، تبدیل[3] تقسیم[4] اور اطوار و ضوابط[5] — میں اصلاح[1]، آزاد گردش[2] اور مساوات[3] کے اصول کارفرما ہیں۔ یہ تینوں اصول بنیاد ہیں اسلامی اقتصادی نظام کے لئے۔

اسلامی اقتصادیات کا پہلا اصول اصلاحِ فرد و معاشرہ ہے، لہٰذا اسلامی اقتصادیات میں ہر وہ چیز غلط قرار دی گئی جس سے معاشرہ کے کسی فرد کو یا بحیثیت مجموعی پوری قوم کو

کسی طرح کا فرار واقعی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہو۔ اسی بناء پر خمریات کی بیع وشرا کو حرام قرار دیا گیا۔ اسلامی اقتصادیات کا دوسرا اصول آزادانہ گردشِ زر ہے۔ اسلام TURNOVER اور FREE FLOW کا قائل ہے۔ CENTRALIZATION OF MONEY کو اسلام برداشت نہیں کرتا۔ اسی اصول کے تحت احتکار کی مذمت کی گئی، سود کو حرام قرار دیا اور قمار کی تمام شکلوں (معمہ، لاٹری، شرط بدنا وغیرہم) سے باز رکھا۔ اسلام دراصل زر ونقد کو STORED VALUE سے زیادہ MEDIUM OF EXCHANGE مانتا ہے جس سے زیادہ سے زیادہ افراد کی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ اسلامی اقتصادیات کا تیسرا اصول عدل ومساوات ہے۔ اسی بنا پر سرقہ اور غصب کو حرام قرار دیا۔ یہی تین اصول اسلامی معیشت کے ہر شعبہ میں کارفرما نظر آتے ہیں۔ انسان اپنی معاش کسی بھی جائز طریقہ سے حاصل کرے، امن واصلاح عدل ومساوات اور ترقی وخوش حالی اس کا مقصد ہونا چاہئے۔ ان اصولوں کو پیش نظر رکھ کر انسان ہر جائز پیشہ کو اپنا سکتا ہے، خواہ وہ تجارت وصنعت ہو یا زراعت و ملازمت۔ بھیک مانگنے کی اسلام نے مذمت کی ہے۔ مساوات اور خوش حالی لانے کے لئے امراء سے غرباء تک انتقال زر کا بہترین طریقہ زکوٰۃ وفطرہ بتایا ہے۔ عام قومی اقتصادیات کے انتظام اور دیگر امور کے لئے حکومت کی موجودگی لازمی ہے۔ حکومت کی تحویل اور ذمہ داری میں بیت المال کو دیا۔ حکومت کو بھی تجارت وصنعت اور زراعت وخدمت علی الاجرۃ کا حق دیا۔ اس کے علاوہ حکومت محصول بھی لے سکتی ہے۔

تجارت کے شعبہ میں اسلام نے سود کو حرام قرار دیا بلکہ اس کو سرے سے تجارت ہی نہیں مانا اور وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فرما کر بیع وربوا میں امتیاز فرما دیا۔ تجارت کی ہر تنظیم مثلاً انفرادی (SOLE TRADER) اور شرکت ومضاربت کو جائز بتایا گیا۔ انفرادی تجارت میں چونکہ ایک ہی شخص بلا شرکت غیرے مختار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں زیادہ مسائل نہیں ہوتے صرف عام اصولِ صداقت ودیانت کا ہی لحاظ ہوتا ہے۔ شرکت ومضاربت میں چونکہ افراد

کی تعداد ایک سے زیادہ ہوتی ہے لہٰذا ان کے باہمی تعلقات کی بنیاد پر مسائل سامنے آتے ہیں۔ شرکت میں ہر شریک اپنے سرمایہ کے مطابق نفع کا مستحق یا نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ کوئی شریک بغیر سرمایہ لگائے ہوئے صرف اپنی انتظامی ذمہ داریوں کی وجہ سے ایک خاص نسبت (RATIO) میں شریک ہوتا ہے لیکن نقصان میں اس کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔ شرکاء کے مابین نفع (اور نقصان) کی تقسیم ایک معین نسبت سے مثلاً فیصد یا کسر (تہائی، چوتھائی وغیرہا) ہونا چاہئے۔ ایک متعین اور مقررہ رقم (مثلاً صمار) کا حقدار یا ذمہ دار کسی شریک کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ نقصان کی صورت میں منتظم شریک (جس نے سرمایہ نہیں لگایا) ذمہ دار نہیں ہے کیوں کہ اس کی تمام محنت و کوشش رائیگاں ہو جانا ہی اس کا نقصان ہے بالکل اسی قاعدہ کے مطابق مضاربت میں نقصان کا ذمہ دار سرمایہ کار ہے، محنت کار نہیں۔ البتہ نفع میں ایک متعین نسبت سے دونوں شریک ہیں۔ یہاں بھی متعین نسبت ہے، کوئی رقم کسی بھی فریق کے لئے متعین نہیں ہے۔ محنت کار رب المال کا اور ہر شریک اپنے شرکاء کا امین اور وکیل بھی ہوتا ہے (اگر غیر اختیاری طور پر مثلاً آفت سماویہ سے مال ہلاک ہو جائے تو تاوان نہیں) تمام موجودہ شرکاء کی اجازت سے (صراحۃً یا دلالۃً) کسی نئے فرد کو شریک کیا جا سکتا ہے۔ اور شرکت کو وسعت دے کر کمپنی کی شکل میں قائم کیا جا سکتا ہے۔ کمپنی میں بھی اگر کچھ حصہ داروں کو ترجیح دی گئی اور ان کے لئے نفع کی ایک ... متعین رقم مقرر کر دی گئی تو کمپنی ختم ہو جائے گی یعنی اسلامی قانون کے تحت اس کا DISSOLUTION ہو جائے گا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ نفع کی تقسیم سرمایہ کی مناسبت سے ہو اور پھر ایک خاص رقم حصہ دار کے حوالے کر کے نفع میں سے اسکا باقی حصہ RESERVE کی صورت میں رہنے دیں۔ لیکن اس RESERVE پر صرف اسی حصہ دار کا حق ہے جس کے حصۂ نفع سے یہ RESERVE قائم ہوا ہے۔ اگر کوئی حصہ دار کمپنی سے علیحدہ ہوتا ہے تو اسے اختیار ہوگا اپنے حصہ کے نئے خریدار سے اس RESERVE کی قیمت وصول کر لے جب بھی فرم یا کمپنی DISSOLVE ہو تو سب جائداد یا اس کی قیمت شرکاء یا حصہ داروں میں ان کے

سرمایہ کی نسبت سے تقسیم ہوجائے گی۔

فرد واحد (SOLE) یا فرم یا کمپنی کو صنعت و زراعت اور خدمت علی الاجرۃ کرنے کا حق ہے صنعت و زراعت کے شعبہ میں کاریگر اور ماہرین سے مدد لے سکتے ہیں۔ کاریگروں کو نفع کا کچھ حصہ یا متعین رقم کی شکل میں اجرتِ معقودہ یا اجرت مثل دی جاسکتی ہے۔ تجارت میں جس طرح مضاربت جائز ہے زراعت میں وہی شکل مزارعت کی ہے۔ تجارت یا بیع اس چیز کی نہیں ہوسکتی۔ فی الحال جس کا وجود ہی نہ ہو۔ ہاں موجود اشیاء کی تجارت ہوسکتی ہے۔ تجارت میں جس طرح مضارب پر غیر اختیاری طور سے سرمایہ کے ہلاک ہوجانے پر کوئی تاوان نہیں اسی طرح مزارعت میں مزارع پر کوئی تاوان نہیں اور اسی طرح صنعت میں صانع یا کاریگر پر تاوان نہیں۔ اسی طرح ودیعت میں امین پر تاوان نہیں۔ اجارہ میں چیز کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔ کوئی بھی شئے منقولہ یا غیر منقولہ کرایہ پر دی جاسکتی ہے لیکن سرمایہ کو کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا کیوں کہ یہ کرایہ سود ہے جو قطعی حرام ہے وجہ یہ ہے کہ سرمایہ جب واپس ہوتا ہے تو اپنی پوری قیمت کے ساتھ واپس ہوتا ہے یعنی اگر ۱۰۰ روپئے قرض دیا تو واپسی میں ۱۰۰ کے ہی نوٹ یا سکے ملیں گے اور یہ ضروری نہیں کہ وہی نوٹ یا سکے واپس ہوں جو قرض دیئے گئے تھے، دوسرے نمبر کے نوٹ یا سکے بھی ہوسکتے ہیں۔ برخلاف اس کے اشیاء میں متواتر گھسا وٹ (DEPRECIATION) ہوتی رہتی ہے اور چیز میں واپسی کے وقت ضرور کچھ کمی ہوجاتی ہے۔ اسی کمی کے عوض کرایہ لیا جاتا ہے۔ اور کرایہ پر دی گئی چیز بعینہ لا غیرہ واپس ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ "چیز کے حجم و وزن میں کمی کی وجہ سے جس طرح کرایہ لیا جاتا ہے اسی طرح روپیہ سے تھوڑے عرصہ تک دست بردار رہنے کی وجہ سے ہم اپنے تجارتی منافع میں کمی کرتے ہیں جس کا عوض سود ہے" وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ :

۱۔ دستبرداری کا عوض سود نہیں بلکہ منافع ہوتا ہے اور یہ منافع مضاربت کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے۔

۲۔ اگر اپنی تجارت میں اس کو لگایا جاتا تو کچھ کام بھی کرنا پڑتا اور ذمہ داری (RISK) بھی قبول کرنا پڑتی۔ اسی کا عوض وہ منافع ہوتا۔ یہاں سود کا معاملہ یہ ہے کہ بغیر کسی RISK اور WORK کے جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ صریحاً حرام ہے۔

۳۔ کرایہ پر دی جانے والی چیز سے بھی کرایہ پر دی گئی مدت تک انتفاع محال ہوتا ہے پھر بھی واپسی کے وقت کچھ قیمت کی (DEPRECIATED) چیز واپس ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے قرض دی گئی رقم پوری قیمت کے ساتھ واپس ہوتی ہے۔ پھر بھی اس پر ایک زائد رقم کا مطالبہ سراسر ظلم ہے۔ قرض لینے والا اگر کوئی اضافہ غیر مشروط طور پر اپنی خوشی سے کر دے وہ جائز ہے۔ لیکن کسی معینہ رقم کا مطالبہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہاں ایک معین اور مشروط شرح سے زیادتی کا مطالبہ صرف مضاربت میں جائز ہے وہ بھی:

(۱) متعین و مشروط "شرح" کی زیادتی نہ کہ "تعداد و مقدار" کی۔

(۲) متعین و مشروط شرح "منافع" پر نہ کہ "اصل سرمایہ" پر

(۳) صرف اس وقت جب نقصان کی صورت میں پورے نقصان کی ذمہ داری بھی لی ہو۔

مضاربت کے اصول پر ہی بنک قائم ہو سکتے ہیں۔ یہ بنک بانڈ اور سیکیورٹی کی تجارت بھی کر سکتے ہیں جس میں سود کی شکل نہ ہو۔ یعنی کسی کمپنی کے حصے (SHARES) خرید و فروخت کر سکتے ہیں لیکن سودی قرض ناموں (DEBENTURES) کی تجارت نہیں کر سکتے۔ بنک انفرادی ملکیت بھی ہو سکتا ہے، فرم بھی ہو سکتی ہے اور کمپنی بھی۔ بنکنگ کے علاوہ (STOCK EXCHAGE) کا کام بھی افراد، فرم یا کمپنیاں کر سکتی ہیں۔ حکومت بھی BANKING یا STOCK EXCHANGE کا کام سنبھال سکتی ہے۔ صنعت و تجارت اور زراعت و اجارت کے علاوہ اپنی خدمات کے صلہ میں حکومت TAX بھی وصول کر سکتی ہے۔ جنگلوں، دریاؤں، پہاڑوں، وحشی جانوروں اور معدنیات وغیرہم قدرتی خزینوں پر (جن کا کوئی ادارہ یا

فرم مالک نہیں ہے) حکومت کا اختیار رہے اور یہ تمام چیزیں قوم کی بھلائی میں صرف ہونا چاہئیں، اور بیت المال کے تحت اس کا انتظام ہو۔ اس کے علاوہ آب وہوا کے ذخائر قوم کی مشترکہ دولت ہے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ تمام قدرتی ذرائع کو قوم کی فلاح کے کام میں لائے۔ قوم اور افراد کے جان و مال کی حفاظت بھی حکومت پر فرض ہے جس کے لئے وہ TAX وصول کرنے کی مجاز ہے۔ آفات سماویہ وارضیہ مثلاً ژالہ باری، شدت باراں، سیلاب اور قحط سے عوام کو جو نقصان پہنچا ہو، حکومت بیت المال سے اس کی تلافی کرے۔ بیمہ کا نظام بھی اسی طریقۂ کار پر چلایا جا سکتا ہے۔ آگ اور سمندر کے بیمہ میں ایک مخصوص رقم حکومت یا بیمہ کمپنی لے سکتی ہے اور اس کے عوض مال کی ذمہ داری .... لے گی اور نقصان کی صورت میں تلافی بھی کرے گی۔ زندگی بیمہ میں زندگی چونکہ ایک غیر معین شے ہے لہٰذا اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ یوں بھی زندگی بیمہ ایک خالص قمار بازی ہے اور معاشیات کے حلقہ میں شامل نہیں ہے۔

تصنع، تصرف، تبدیل اور تقسیم کی دیواروں پر اطوار وضوابط کی چھت ڈال کر اقتصادی قلعہ کی تعمیر ہوتی ہے لیکن اس میں استحکام اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب اس کی بنیاد اسلامی ہو ورنہ سرمایہ داری کی بنیاد پر یہ چاروں دیواریں ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہو جائیں گی کہ سوائے ایک بنجر ٹیلہ کے عمارت کا وجود نہ رہے گا اور اشتراکیت کی بنیاد پر اس عمارت کے اجزاء اتنے منتشر ہو جائیں گے کہ اقتصادی عمارت کا وجود بلکہ نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ صرف اسلامی بنیاد پر یہ قلعہ قائم رہ سکتا ہے۔ اور اس قلعہ کے اندر پناہ لے کر معاشرہ فاقہ کشی، غذائی قلت، بے روزگاری اور پست معیارِ زندگی کے حملوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

"نظام تصنع"

اقتصادیات کی پہلے حلقہ تصنع میں PRODUCTIVITY MAXIMIZATION —— ہونا چاہئے۔ یعنی قدرتی ذرائع کا پورا پورا استعمال کیا جانا چاہئے۔ اور یہ پورا استعمال یا ....

FULL UTILIZATION OF NATURAL RESOURCES — معاشرہ کی فلاح وبہبود کے لئے

ہو۔ کوئی ایسی چیز تیار نہ کی جائے جس سے افراد کی زندگی اور صحت خطرے میں پڑ جائے۔ مثلاً خمریات پر پابندی ہو یعنی شراب، افیون، کوکین وغیرہم نہ تیار کی جائیں۔ فحش کتابوں کی تصنیف وطباعت نہ ہو۔ نئی نئی مصنوعات وایجادات ایسی ہونا چاہئیں جن سے افراد کی دماغی وجسمانی صلاحیتوں میں اضافہ ہو اور دولت وقوت تیز وقت کی بچت ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مصنوعات سے قومی معیار زندگی پست نہ ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر فرد کسی کام میں مشغول ہو۔ کسی بھی جائز کام کو حقیر و ذلیل سمجھ کر چھوڑ نہ دے۔ ملازمت اور غلامی کی حقیر تمنا کو ٹھکرا کر تجارت کے میدان میں قدم رکھے یا کسی صنعت میں (خواہ وہ کتنے ہی چھوٹے پیمانے پر ہو) اپنی صلاحیتیں صرف کرے۔ اپنی ضروریات کی چیزیں جو بھی تیار کر سکتا ہے خود ہی بنا لے۔ بیروزگاری کا علاج یہ ہے کہ قومی مسائل کے حل کے لئے آزادانہ فکر و کوشش کرے یعنی کوئی ذاتی صنعت یا تجارت یا زراعت کا شغل اختیار کرے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی کے پاس سرمایہ اور زمین نہ ہو تو وہ کس طرح صنعت وتجارت یا زراعت اختیار کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ:۔

(۱) بہت سی صنعتیں ایسی ہیں جن کو لوگ حقیر سمجھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں انہیں سرمایہ کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً مٹی کے برتن بنانا، کھجور کے پتوں سے پنکھے، چٹائیاں اور دوسری چیزیں (وغیرہما)

(۲) بہت سی صنعتیں بہت قلیل سرمایہ سے شروع ہو سکتی ہیں۔ مثلاً جلد سازی، کاغذ کے گلدستے، گتے کے بکس وغیرہم۔

(۳) اگر ذاتی سرمایہ نہ ہو کہ مضاربت یا شرکت کے اصول سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ چند افراد کی قلیل رقوم ایک کثیر مجموعی سرمایہ بن سکتی ہیں۔ مثلاً اگر دس اشخاص شرکت میں تجارت پر راضی ہوں اور ہر ایک ۱۰۰ دے یا بیس اشخاص شرکت کے لئے تیار ہو جائیں اور ہر ایک کا CONTRIBUTION ہو تو یہ رقم ۔۔۔ ہو تی ہے جس سے کوئی بھی چھوٹا کاروبار شروع کیا جا سکتا ہے۔

(۴) زراعت کے لئے اگر بہت زیادہ زمین نہ ہو تو چھوٹی سی جگہ میں ہی ترکاریاں اگائی جاسکتی ہیں۔ پانی میں مچھلیاں پکڑی جاسکتی ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ بے روزگاری کا حل بھی اسلام میں موجود ہے۔ ملازمت کے لئے عزتِ نفس کو بیچ کر دینا یا بھیک مانگنا قطعاً غیر ضروری ہے۔ جس ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا یہ اقتصادی نظام پیش کیا ہے۔ اس نے ایک سائل کو ہدایت کی تھی کہ اپنی خودداری کو فروخت کرنے کے بجائے جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاؤ اور انہیں فروخت کرو۔ چنانچہ اس کام میں اس سائل کو خدا نے برکت عطا فرمائی۔ اسلام میں ملازمت حرام نہیں ہے اور تمام جائز پیشوں کے ساتھ ملازمت بھی جائز ہے۔ لیکن کہنا صرف یہ ہے کہ بے روزگاری کا حل بھی اسلام میں موجود ہے اور ہر انسان کسی بھی جائز طریقہ سے کسی PRODUCTION میں لگا ہے اور یہ PRODUCTION انسانی فلاح کے لئے ہو۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے صالح غذا، صالح لباس اور جائے پناہ کا انتظام ہو۔ ان کی تعلیم کے لئے معیاری کتب کی تصنیف واشاعت ہو۔ تحفظِ صحت کے لئے دواسازی کی بھی صنعت ہو۔ آمدورفت کے لئے سواریاں بھی میسر ہوں قوت (ENERGY) اور وقت (TIME) کی حفاظت اور بچت کے لئے اور صالح تفریح طبع کے لئے بھی مصنوعات ہوں وغیرہم۔

"نظامِ تصرف"

تصرف کے حلقہ میں اسلام نے ان تمام چیزوں کو حلال کیا ہے جو نوعِ انسانی کے لئے ضروری ہیں اور ایسی تمام اشیاء حرام قرار دی گئی ہیں جن سے افراد یا معاشرہ کی روحانی، قلبی، ذہنی اور جسمانی صحت پر نقصان دہ اثر پڑ سکتا ہے۔ اسلام نے کسب معاش کو فرض کیا حصول معاش واقعی ایک امرِ دقیق ہے لیکن اس سے بھی زیادہ مشکل کام حاصل شدہ آمدنی کو سلیقہ سے خرچ کرنا ہے۔ اخراجات کی جن مدوں کا اسلام نے حکم دیا ہے ان میں سب سے پہلے اپنے اور اہل وعیال کے بعد والدین کی خدمت احسن طریقہ سے (زکوٰۃ وفطرہ سے ممتاز) اور پھر امداد اقرباء ویتامیٰ ومساکین ومسافر وسائل ومقروض (وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی

وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ) زکوٰۃ و فطرہ کے ذریعہ اور جو کچھ بچے اس میں
تحائف اور پر خلوص مدارات ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ آمدنی کے ہر جز کو FULLY UTILIZE
کر لیا جائے اور بچا کر نہ رکھا جائے کیوں کہ اس طرح قومی آمدنی کا ایک حصہ LOCKED UP ہو
جاتا ہے اور آزادانہ گردش باقی نہیں رہتی اس طرح بحیثیت مجموعی قومی آمدنی میں بھی کمی ہوتی ہے
کیوں کہ ایک شخص کا خرچ دوسرے کی آمدنی ہوتا ہے۔ لہٰذا جب پوری آمدنی میں سے ایک حصہ خرچ
میں سے بچا لیا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے اشخاص کی آمدنی اور مجموعی قومی آمدنی کا
ایک حصہ کم ہو جاتا ہے۔ بچت کا مقصد عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ پس انداز کی ہوئی رقم مستقبل کی نادیدہ
ضروریات کی کفالت کر سکے۔ لیکن یہاں تو ایک عقیدۂ توحید پر زد پڑتی ہے کہ خدائی قوت کے
وجود کا پشتہ رقم میں یقین ہونے لگتا ہے دوسرے عملی میدان میں لوگ اپنی ضروری جد و جہد اور
جفاکشی سے اس لئے کنارہ کش ہو جاتے ہیں کہ انھوں نے کافی رقم پس انداز کر لی ہے اور پھر یہ
پس اندازہ رقم سرمایہ داری اور سود کو فروغ دیتی ہے۔ جس مزدور و مقروض کا EXPLOITATION
۔۔۔۔ ہوتا ہے تیسرے یہ کہ ملک میں DEPRESSION کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں جس کا لازمی
نتیجہ بے روزگاری کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ چوتھے یہ کہ پس اندازہ رقم تلف بھی ہو سکتی ہے
یا INFLATION کی صورت میں اس کی قیمت بھی کم بلکہ ختم ہو سکتی ہے۔ اس لئے اسلام بچت یا
SAVINGS کو نہیں بلکہ INVESTMENT کو پسند کرتا ہے

"نظام مبادلہ"

تصرف کے بعد تبدیل کا نمبر آتا ہے۔ مبادلہ کا مقصد اشیاء صرف کو صارفین تک پہنچا
دینا ہے۔ مبادلہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس چیز کی بیع ہو رہی ہے وہ موجود ہو، دو فریق ہوں مبیع
کے عوض میں کچھ ثمن بھی ہو اور دونوں فریق معاملہ کرنے میں آزاد ہوں یعنی FREE CONSENT
ہو اور یہی چاروں شرائط INDIAN CONTRACT ACT, 1872 میں بھی ہیں۔ ایجاب
جب قبول ہو جائے تو عقدِ بیع تکمیل پاتا ہے اور اس سے مبیع کی ملکیت بدل جاتی ہے۔ اسلامی نظام

کے تحت بھی مبادلہ کی یہی صورت ہے لیکن BARTER SYSTEM میں ادھار بیع وشراء کو ناجائز قرار دیا گیا ہے ایک ہی جنس کے مبادلے میں تفاضل کو بھی حرام بتایا گیا ہے ۔ مگر MONETARY — ECONOMIES میں اُدھار جائز ہے ۔ البتہ بین الاقوامی تجارت میں اب بھی BARTER SYSTEM کے ہی احکام مطلق ہیں جب تک کہ کسی خاص ملک کی (CURRENCY) کو ذریعۂ مبادلہ نہ مان لیا جائے جب یہ خاص CURRENCY بطورِ معیارِ مبادلہ قبول کر لی گئی اور اسکی قیمت میں زیادہ تغیر بھی نہیں ہوتا تو اب بین الاقوامی قرض ومبادلہ جائز ہو گیا کیوں کہ اب یہ BARTER نہیں بلکہ MONETARY ECONOMY ہے ۔ مبادلہ میں ثمن کو کسی دوسرے پر حوالہ بھی کیا جا سکتا ہے ۔ شرا میں خیار ردت اور خیار عیب بھی ہو سکتا ہے ۔ لیکن مبادلہ میں مساوی فائدہ بہت ضروری ہے یعنی ثمن ومبیع اپنی UTILITY میں برابر ہوں اور یہ اصول سرق وغصب، لاٹری، جوا فیس والے معمے اور BLACKMARKETING کا دروازہ بند کرتا ہے کیوں کہ ان سب میں دونوں فریقوں کو EQUAL UTILITY نہیں ملتی ۔ "مساوات" کا یہ اصول اسلامی اقتصادیات کا تیسرا اصول ہے جس کا اطلاق مبادلہ میں صوبائی، ملکی اور بین الاقوامی تجارت پر بھی ہوتا ہے علاوہ ازیں پہلا بنیادی اصول "اصلاح" ہے جس کی رو سے SMUGGLING ناجائز ہے کیوں کہ SMUGGLING کے اثرات اکثر منفی ہوتے ہیں ۔ اسلامی اقتصادیات کا دوسرا اصول "آزاد گردش" ہے اور حقیقت میں یہی "تجارت" یا "BUSINESS" ہے کیوں کہ اسی کے مطابق، زر ونقد اور مال واشیاء "جاری" یا "BUSY" رہتے ہیں ورنہ وہ "راکد" یا "LAZY" ہو جاتے ہیں اور پھر وہ "تجارت" نہیں بلکہ "ترکید" یا "LAZINESS" ہوتی ہے اسی وجہ سے تصرف میں بچت اور مبادلہ میں احتکار کی مذمت کی گئی ہے ۔ بچت کی طرح احتکار کا مقصد عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ روکے ہوئے ذخیرے سے مستقبل میں افادیت حاصل کی جائے لیکن اول تو اس سے جذبۂ خدمت خلق پر ضرب لگتی ہے دوسرے عملی میدان میں لوگ MARKETING کی صلاحیت کھو دیتے ہیں اور پھر یہ چھپائے ہوئے ذخائر BLACK MARKET اور منافع خوری کو فروغ دیتے ہیں جس سے

صانع وصارفین کا ضرر ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ملک میں INFLATION کے آثار پیدا ہوجاتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ تقصیرِ قدر ہوتا ہے۔ چوتھے یہ کہ ذخیرہ شدہ مال تلف بھی ہوسکتا ہے یا DEFLATION کی صورت میں اس کی قیمت کم اور DEPRESSION میں ختم بھی ہوسکتی ہے، اس لئے خود ذخیرہ اندوز کو ہی منافع خوری کا لالچ برباد کرسکتا ہے۔ پانچویں احتکار سے ملکی برآمدات میں خلل اور درآمدات میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلامی اقتصادیات میں احتکار کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

"نظامِ تقسیم"

اقتصادیات کی چوتھی فصل تقسیم ہے جو بہت نازک ترین معاملہ ہے۔ صنعت ہو یا حرفت، تجارت ہو یا زراعت شرکت ہو یا مضاربت۔ ہر ایک کا مقصد حاصل شدہ آمدنی کو پیداوار کے اسباب و ذرائع (FACTORS OF PRODUCTION) میں تقسیم کرنا ہے۔ پیداوار کے یہ محرکات ہیں: ۱ زمین و عمارت، ۲ سرمایہ، ۳ محنت، ۴ انتظام اور ۵ ذمہ داری۔ لہٰذا پیداوار یا آمدنی کو انہیں محرکات (FACTORS) پر ۱ کرایہ، ۲ سود ۳ مزدوری، ۴ تنخواہ اور ۵ منافع کے نام سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ تیسرے محرک (مزدوروں) کی تعداد باقی سب کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہوتی ہے لہٰذا یہ سب مزدوروں کے مقابلہ پر متحد ہوتے ہیں اور اس طرح سماج میں محنت کار اور "سرمایہ دار" (اس میں باقی چاروں FACTORS شامل ہیں) کی سرگرم جنگ جاری رہتی ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے جو نظریات پیش کئے گئے ہیں ان میں اشتراکیت اور سرمایہ داری یہاں تک مشہور ہوئے کہ اقتصادیات کی حدود سے نکل کر سیاست میں پہنچ گئے۔ لیکن دنیا کا کون انسان کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی غیر جانبدارانہ ہے۔ یہاں اسلام اور صرف اسلام آگے بڑھ کر مسئلہ کو "غیر جانبداری اور انصاف"، "آزادگردش" اور "اصلاح" کے ساتھ حل کرتا ہے اور اس کے لئے دوسرے (سرمایہ) اور پانچویں محرک (ذمہ داری) کو علیحدہ نہیں کرتا اور سرمایہ دار کو ذمہ داری سے آزاد نہیں کرتا اور سود کی اجازت نہیں دیتا۔ اس طرح مزدوری کے حریفوں کی تعداد صرف تین رہ جاتی ہے، اور کل FACTORS کی تعداد چار۔ اب انتظام کا کام یا تو سرمایہ دار کے سپرد کیا جاتا ہے یا مزدور و ملازم کو دیا جاتا ہے اور

اس طرح اسلامی اقتصادیات کے پہلے اصول اصلاح کی بنیاد پر اختلاف کو کم کیا جاتا ہے اور مزدوری کے صرف حریف باقی رہتے ہیں اس کے بعد عدل و مساوات کی بنیاد پر زمین دار یا عمارت کے مالک کو اتنا معاوضہ ملے گا جتنا اس میں DEPRECIATION ہوا ہے مزدور کو اتنی مزدوری ملنی چاہیئے کہ اس کی خرچ شدہ ENERGY بحال ہو جائے۔ باقی رقم سرمایہ دار کو مل جائے گی (خواہ وہ کتنی ہی کثیر المقدار ہو کیوں کہ نقصان کی صورت میں برداشت بھی اسی کو ہی کرنا تھا)

"اطوار و ضوابط"

اقتصادیات کے ہر گوشے پر چھت کی طرح چھائی ہوئی جو چیز ہوتی ہے وہ ہیں اطوار و ضوابط اسلامی اقتصادیات کے اطوار و ضوابط کے تحت، سرمایہ دار اپنے سرمایہ کی وجہ سے منافع کی ایک کثیر رقم حاصل تو کر سکتا ہے لیکن نقصان کی صورت میں، وہی تنہا اس کا ذمہ دار بھی ہوگا۔ منافع بھی اگر ہو تو یہ مزدوروں کی واجب مزدوری اور دوسرے محرکات کو ان کا مناسب عوض دینے کے بعد ہوگا۔ اور اس منافع پر اس کا جائز حق اس لئے ہے کہ یہ اس کے سرمایہ، اس کے انتظام اور اس کی ذمہ داری کا عوض ہے اور پھر بھی بہت ممکن ہے کہ منافع کی شکل میں یہ بقیہ رقم مزدوروں کی مزدوری سے بھی کم رہ جائے لیکن اگر یہ کثیر المقدار بھی ہے تو بھی زکوٰۃ و فطرہ کے ذریعہ اس کا ایک بڑا حصہ منتقل اور وراثت کے ذریعہ اس کا پورا وجود منتشر ہو جائے گا۔ پھر سرمایہ دار کو حکومت کے محاصل بھی ادا کرنا ہیں لیکن یہ ادائیگی اس وقت روکی بھی جا سکتی ہے جب محاصل کی رقم قوم کی فلاح بہبود پر خرچ ہونے کے بجائے حکمران افراد کی ذات پر صرف ہوتی ہو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ بیت المال کا نظام پوری دیانت کے ساتھ چلائے تہذیب کے نام پر مخرب اخلاق عادات و حرکات پر قومی دولت کا کوئی حصہ نہ تو حکومت صرف کرے اور نہ افراد کو اس کی اجازت دے۔

حرف آخر: اس طرح اسلامی نظام اقتصادیات کے تحت قوم اسراف بیجا سے بچی رہیگی۔ پورا معاشرہ خوشحال ہوگا کسی فرد کو کوئی تکلیف نہ ہوگی اسلامی نظام کے تحت اقتصادی ترقی کی نئی نئی راہیں بھی نکل سکتی ہیں BANKING بمیہ اور STOCK EXCHANGE کے ادارے قائم ہو سکتے ہیں۔ معیار زندگی بلند ہو سکتا ہے، غذائی اور بیروزگاری کے مسئلے حل ہو سکتے ہیں انسانی فلاح کا ضامن اسلامی نظام ہے۔ ٥٥٥